رنگ آزادی
از آمنہ حیدر
: novelsclubb
: novelsclubb
: 03257121842

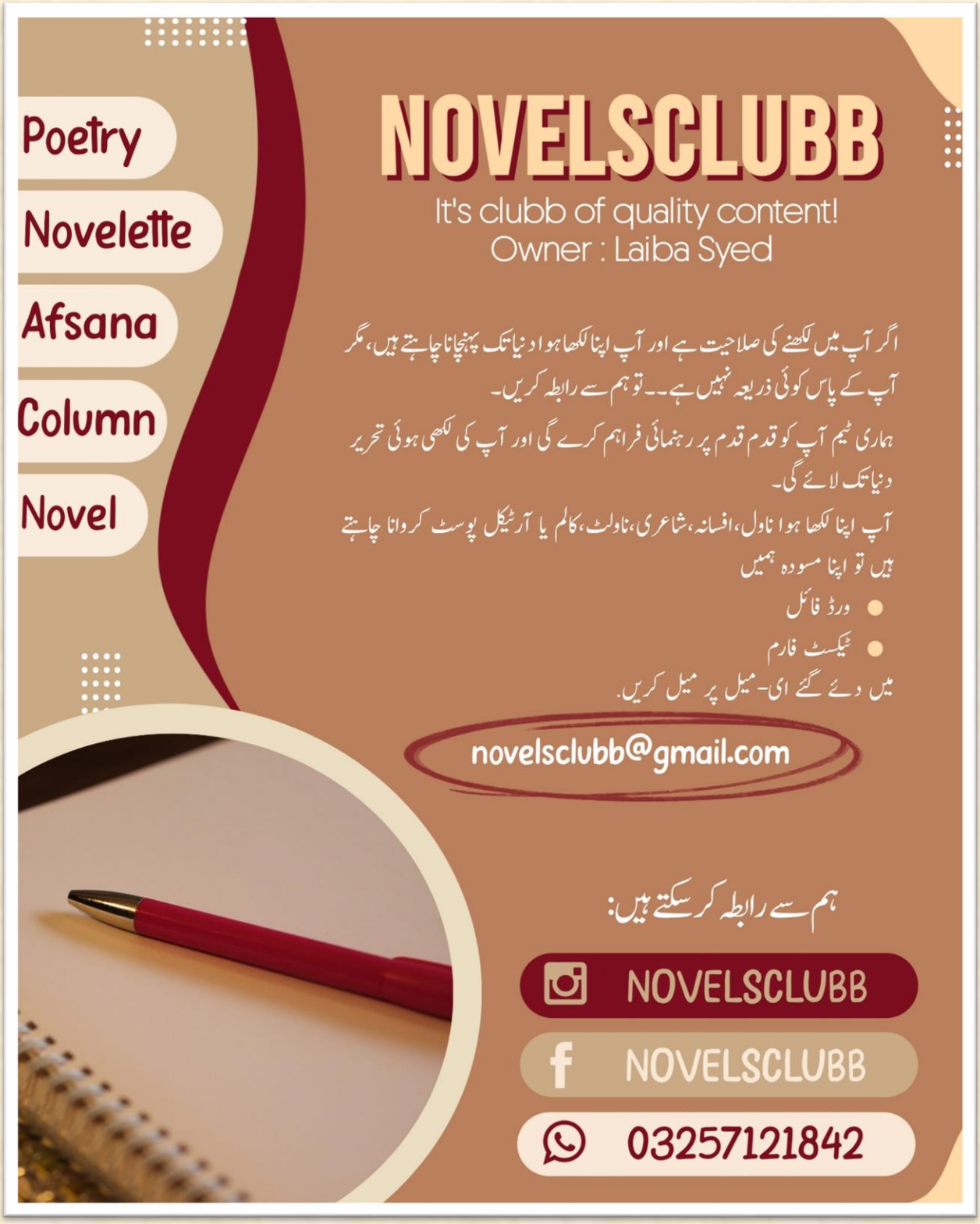
Poetry
Novelette
Afsana
Column
Novel
NOVELSCLUBB
It's clubb of quality content!
Owner : Laiba Syed
اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔
ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔
آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری،ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں
ورڈ فائل
ٹیکسٹ فارم
میں دئے گئے ای-میل پر میل کریں.
novelsclubb@gmail.com
ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں:
NOVELSCLUBB
NOVELSCLUBB
03257121842

رنگِ آزادی

از قلم

آمنہ خان

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ناول "رنگِ آزادی" کے تمام جملہ حق لکھاری "آمنہ خان" کے نام محفوظ ہیں۔ کہانی کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں کسی دوسرے پلیٹ فارم یا سوشل میڈیا پر پوسٹ کرنے سے پہلے لکھاری کی اجازت درکار ہو گی۔ "ناولز کلب" کا پی ڈی ایف بغیر اجازت پوسٹ کرنا منع ہے، بغیر اجازت کہانی/پی ڈی ایف کا استعمال کرنے والوں پر سخت کاروائی کی جاسکتی ہے۔ اس کہانی اور اس میں موجود کردار محض تصوراتی ہیں۔ کسی بھی حقیقی کہانی یا انسان سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کسی بھی طرح کی مشابہت کو اتفاق سمجھا جائے۔

پیش لفظ

رنگ آزادی مجھے نہیں معلوم کہ میں نے اس افسانے کا نام رنگِ آزادی کیوں رکھا، آزادی کے بہت سے معنی ہو سکتے ہیں، اور ہر انسان کے نزدیک آزادی کے الگ الگ مطالب ہیں، میں نے اس میں ملک کی آزادی کے تعلق سے گفتگو کی ہے کہ ہم اپنے ملک میں کتنے آزاد ہیں، یا شاید نہیں ہیں، اور اگر نہیں ہیں تو اس کا ذمہ دار کون ہے؟، ہم انسانوں کے اندر یہی تو خامی ہے کہ ہم اپنی ہر ناکامی کا ذمہ دار کسی نہ کسی کو ٹھہرا دیتے ہیں، اور اگر کوئی نہ ملے تو آخر میں اپنی تقدیر کو کوسنے لگتے ہیں، ہمیں ایسا کیوں لگتا ہے کہ ہماری مدد کے لیے کوئی دوسرا آئے گا؟ ہم ڈھائے گئے ظلم و ستم کا بدلہ کوئی اور لے گا؟ کوئی اور آئے گا جو ہمیں آزاد کرائے گا۔

کوئی اور کیوں؟ ہم کیوں نہیں؟ جب بات خود پر آتی ہے، تو ہم دامن چھڑانے لگتے ہیں، اور پھر بعد میں، معاشرے کو برا بھلا کہتے ہیں، وطن کی بربادی پہ تبصرے کرتے ہیں، جب کہ ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ہم معاشرے پر وطن پر اور اس کی آزادی پر تبصرے

کریں، کیونکہ ہم نے خود وقت آنے پر اپنا دامن چھڑا لیا ہے، اس لیے سب سے پہلے ہمیں خود کو ذمہ دار سمجھنا ہو گا، خود جدوجہد کرنی ہو گی، خود کوئی قدم اٹھانا پڑے گا۔ پھر ہم اپنی مرضی کا معاشرہ بھی بنا سکتے ہیں اور اپنے تصوُّر والی آزادی بھی حاصل کر سکتے ہیں، کیونکہ اللہ کبھی اس قوم کی حالت نہیں بدلتا جو قوم خود اپنی حالت نہ بدلنا چاہے۔

ایک ایسی ہی سوچ کے ساتھ میں نے اس رنگِ آزادی کو لکھا ہے، تو آیئے ہم اور آپ مل کر اس آزادی میں رنگ بھرتے ہیں۔

رنگ آزادی

یہ بہار کا موسم تھا۔ پہاڑوں پہ برف پگھل رہی تھی اور درخت پودے پھر سے جی اٹھے تھے . ہر جگہ ہریالی اور پھول کھل رہے تھے، موسم خوشگوار تھا۔ ہر سو پھولوں کی خوشگوار خوشبو پھیلی تھی۔ یہ وقت ہے صبح نو بجے کا اور دن اتوار کا۔ سب اپنے اپنے مضبوط گھروں میں چین اور سکون کی نیند سو رہے تھے، بغیر اپنی جانوں کی فکر کیے۔ اسلام آباد کے ایک پوش علاقے میں واقع اس وسیع و عریض گھر میں قدم رکھو تو گیٹ کے دائیں سائڈ پر ایک بڑا سا لان تھا

جہاں مختلف پھول اور پھل دار درخت ماحول کو ایک الگ سی خوشبو میں ڈھال رہے تھے۔ لان کے بیچ و بیچ گول میز رکھی تھی اور اس کے ارد گرد فارم والی کرسیاں۔ان کے اوپر ایک چھتری سی بنی تھی۔اس لان سے ہوتے ہوئے اگر گھر کی پچھلی طرف آؤ تو اس بیک یارڈ میں ایک بڑا سا پول تھا۔ایک طرف لمبی سی میز اور کرسیاں موجود تھیں۔اور ساتھ ایک انگیٹھی رکھی تھی۔اب زرہ اگر تم دبے پیر گھر کے داخلی دروازہ سے اندر قدم رکھو تو سامنے ایک ہال سا تھا جس کے دائیں جانب ایک آفس نما کمرہ تھا اور بائیں جانب گول سیڑھیاں تھیں جبکہ سامنے لاؤنج کا دروازہ۔لاؤنج میں قدم رکھتے ہی تمھاری آنکھیں ان قیمتی اور اعلیٰ اشیا سے سجے لاؤنج کو دیکھ کر خیرہ ہوں گی۔اس لاؤنج کے دائیں ہاتھ پر ایک دروازہ تھا اسے کھول کر دیکھو تو وہ ایک پر تعیش ڈائنگ ہال تھا۔واپس لاؤنج میں آؤ تو سامنے دو کشادہ اور خوبصورت کمرے تھے۔ایسے ہی تین کمرے اوپر بھی تھے۔ صبح کے اس پہر گھر سے ہلکی ہلکی آوازیں آ رہی تھیں۔ڈائنگ ہال میں دو نفوس کرسیوں پہ براجمان ناشتے کا انتظار کر رہے تھے۔ سربراہی کرسی پے ایک ادھیڑ عمر مرد اور ان کے ساتھ والی کرسی پے ادھیڑ عمر عورت۔ تبھی دروازے سے ایک اور نفس اندر داخل ہوا۔ٹراؤزر شرٹ پہنے فریش چہرہ اور بالوں کو رف سے جوڑے میں باندھے ایک نوجوان لڑکی۔اس کی عمر لگ بھگ 1918 سال تھی۔اس

کے نقش اچھے تھے بہت خوبصورت تو نہیں مگر اچھے۔وہ ہائے کہتے ہوئے ان ادھیڑ عمر عورت کے ساتھ والی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔مرد نے مسکرا کر پیار سے اسے دیکھا،وہ ان دو معمر شخصیات کا کل اثاثہ تھی ان کی اکلوتی اور لاڈلی اولاد۔

"ہانی بچے آپ نے آگے کا کیا سوچا ہے؟آپ کا کالج ختم ہو گیا ہے اب گریجویشن کا کیا ارادہ ہے؟"

"میں کینیڈا جاؤں گی ڈیڈ۔"

"کینیڈا؟اتنی دور کیوں میری جان ہم تمھیں اکیلا کیسے جانے دیں؟تم یہیں ہمارے ساتھ رہ کر پڑھو"اس کی والدہ کا دل جیسے مٹھی میں آ گیا تھا وہ اپنی اکلوتی اور لاڈلی اولاد کو بھلا اتنا دور کیسے جانے دے سکتی تھیں؟

"کم ان مام۔آپ دونوں کو بھی پتا ہے پاکستان کا کوئی حال نہیں یہاں کوئی فیوچر نہیں۔پاکستان میں کیا کروں میں اپنا فیوچر تباہ؟آخر پاکستان میں رکھا ہی کیا ہے؟"

"فیوچر ہو گا بھی کیسے جب پاکستان کا فیوچر دوسرے ملک جا کر اس کی نوکری کرنا چاہتے ہیں؟"

اس کی والدہ محض سوچ سکی تھیں۔

یہ دوپہر کا وقت تھا۔ہانم کی دوست شیز اگھر میں داخل ہوئی اور ہانم کے کمرے میں چلی آئی۔ ہانم اسے دیکھ کر مسکرائی اور بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"ہانی تم نے کہیں اپلائی کیا ہے؟ میں تو آسٹریلیا کا سوچ رہی ہوں۔ تم پاکستان ہی رہو گی کیا؟"

"مر کر بھی نہیں۔ پاکستان نے ہمیں آج تک دیا ہی کیا ہے؟ رکھا کیا ہے پاکستان میں؟ یہاں گھٹ گھٹ کے مرنے سے بہتر ہے آزادی کے لیے باہر نکل جاؤ"

"I agree. Are you coming with me for shopping?"

"Of course "

وہ دونوں ایک ساتھ اٹھ کر باہر بڑھ گئیں۔

آج موسم خوشگوار تھا۔رات کے دس بج رہے تھے۔وہ بیڈ پہ دراز انسٹا اسکرول کر رہی تھی۔ ہر ریل ایک نئے کیس کی تھی۔ایک امیر زادے نے ایک لڑکی کا ریپ کر کے مار کر سمندر کے پاس پھینک دیا تھا۔یہ واقعہ کراچی کا تھا مگر پورے ملک میں یہ خبر آگ کی طرح گردش کر رہی تھی۔کیس کورٹ میں گیا تھا اور ہمیشہ کی طرح اس بار بھی پیسے کی جیت ہوئی تھی لڑکی کے خاندان پر کیچڑ اچھالا گیا بلیک میل کر کے انہیں خاموش کرا دیا گیا اور اس بے گناہ کا مجرم آزاد دندناتا پھر رہا تھا، شاید کسی اور کی زندگی برباد کرنے کے ناپاک ارادے لیے۔اس نے تنفر سے سر جھٹکا. یہ ملک رہنے کا قابل ہی نہیں تھا۔مگر وہ ایک بات بھول گئی تھی کہ اگر سب بس اپنا سوچ کر باہر بھاگ جائیں گے حق کے لیے آواز نہیں اٹھائیں گے تو یہ ملک بدلے کا بھی کیسے؟جب تک ظالم کا راج رہے گا ملک کا کچھ نہیں ہو سکتا۔جب تک طاقت حق سے جیتے گی ملک میں سانس لینا مشکل رہے گا مگر..... مگر سب کو صرف اپنی پرواہ تھی ملک کی نہیں۔اتنا پیارا ملک انہیں بغیر کسی جدوجہد کے مل گیا تھا انھوں نے اسے تباہ تو کرنا ہی تھا۔برا تو ملک نے ہی بننا تھا نہ کہ اس میں دندناتے برے ظالم لوگوں نے۔برا ملک نہیں لوگ ہوتے ہیں۔اسی پل اس کے واٹس ایپ کے فرینڈز گروپ میں میسج آیا تھا۔وہ سب فلم دیکھنے سینیما

جا رہے تھے۔ گیارہ بجے کا شو تھا اور ابھی سوا دس بجے تھے۔ وہ فوراً اٹھی اور تیار ہو کر پرس اٹھا کر نیچے چلی آئی۔ اس وقت پونے گیارہ ہو رہے تھے۔

"ہانی بچہ کہاں جا رہی ہو اس وقت؟"

"فلم دیکھنے. گیارہ بجے کا شو ہے ڈیڈ۔"

"اتنی دیر سے گھر سے نکلنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے بیٹا۔ گیارہ بجے شروع ہو گا تو رات دو بجے ختم ہو گا۔ کوئی ضرورت نہیں ہے جانے کی"

وہ بہت کچھ کہنا چاہتی تھی مگر جانتی تھی کوئی فائدہ نہیں ہونے والا تھا اسی لیے غصے سے لال بھبوکا چہرہ لیے پیر پٹختی اپنے کمرہ میں آ گئی۔ ٹھاہ کی آواز سے دروازہ بند کیا، غصے سے پرس پرے پھینکا اور بستر پر گر گی۔ لال انگارہ آنکھیں چھت پر مرکوز تھیں.

"کوئی آزادی نہیں ہے یہاں. دم گھٹتا ہے میرا سانس بند ہوتا ہے. مجھے آزادی چاہیے اور وہ صرف باہر ہی ملے گی."

وہ فیصلہ کر چکی تھی اس بات سے بے خبر کے کبھی کبھی انسان کو اپنے فیصلے بدلنے پڑتے ہیں۔

دوپہر کا وقت تھا۔ ہوا میں خنکی تھی اور ایسے میں سورج کی دھوپ روح کو سکون بخشتی تھی۔ وہ شیزا کے گھر سے واپس آ رہی تھی جب گاڑی اچانک ایک جھٹکا کھا کر رکی۔ اسے پہلے ہی تیز دھوپ سے کوفت ہو رہی تھی اوپر سے گاڑی کو بھی ابھی خراب ہونا تھا۔ ڈرائیور اتر کر گاڑی کو چیک کر رہا تھا۔ اور وہ بے زار سی کھڑکی کے باہر دیکھ رہی تھی۔ گاڑی ایک پارک کے سامنے رکی تھی۔ پارک میں دیکھتے اس کی نظریں ایک جگہ ٹھہر گئی تھیں۔ پارک کے ایک کونے میں گھاس پر ایک لڑکی بیٹھی تھی۔ اس کے خوبصورت سیاہ بال کمر پر بکھرے تھے اور وہ دور پھیلے مناظر کو دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ ہانی کے قدم خود بخود اس جانب اٹھے تھے وہ اس کے پیچھے کھڑی اس لڑکی کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ اچانک کسی خیال کے تحت اس لڑکی نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ چمکتی کانچ سی سنہری آنکھیں خوشی سے جگمگا رہی تھیں اور لب بھرپور مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔

"تم اتنی دلچسپی سے کیا دیکھ رہی ہو؟"

"Beauty"

اس دلکش پری نے بے اختیار جواب دیا تھا۔ ہانی نے اسے حیرت سے دیکھا

"کونسی خوبصورتی؟"

"پاکستان کی خوبصورتی"

پر سکون انداز میں جواب آیا تھا۔

"پاکستان میں ہے ہی کیا؟ کچھ بھی تو نہیں ہے"

"ایسے مت کہیں آپکا۔۔میرا مطلب ہمارا پاکستان بہت خوبصورت اور اچھا ہے"

"مجھے حیرت ہے کوئی پاکستان سے بھی اتنی محبت کر سکتا ہے؟"

"کوئی پاکستان سے محبت کیوں نا کرے؟اس خوبصورت آزاد ملک نے ہمیں کیا کچھ نہیں دیا ؟"

"آزاد؟ یہ حقیقت میں آزاد نہیں ہے کیا خاک آزادی ہے اپنی مرضی سے گھوم پھر بھی نہیں سکتا انسان" اسے کل کی بات بھولی نہیں تھی۔

"آپ کو آزادی کا مطلب پتا ہے؟"

نہایت شائستہ سوال

Clubb of Quality Content

"ہاں آزادی مطلب۔۔۔۔۔"

"آزادی مطلب کھلی فضا میں سانس لینا بغیر اس خوف کے جینا کے کبھی بھی آپ کو کہیں سے گولی لگ سکتی ہے آپ کے گھر والوں کو آپ کے سامنے ٹارچر نہیں کیا جاتا ہے اور اگر آپ کسی کے پاس شکایت لے کر جائیں تو آپ کی سنی جاتی ہے چاہے مانی نا بھی جائے" رک کر ہانی کا چہرہ دیکھا۔

"کیا ایک کہانی سنو گی؟ کہانی لمبی ہے اتنا وقت ہو گا؟"

ہانی تھکی ہوئی تھی مگر سر خود بخود اثبات میں ہلا تھا۔اس دوشیزہ نے کہانی شروع کی تھی اور ہانی اسے سنتی چلی گئی۔

یہ کہانی ہے آزاد کشمیر کے ساتھ جڑی خوبصورت جنت جیسی وادی کی۔ویسے تو کشمیر پورا ہی جنت ہے مگر جمو کشمیر کا خوبصورتی میں کوئی ثانی نہیں۔کشمیر کو جنت کہا جاتا ہے پر اس میں رہنے والوں کے لیے اسے جہنم بنا دیا جاتا تھا۔یہ اس خوبصورت وادی کے ایک چھوٹے مگر پیارے گھر کی کہانی ہے۔وہ باہر سے دیکھنے سے خستہ حال لگتا تھا اندر آؤ تو ایک چھوٹا سا لاؤنج

اور اس کے ساتھ چھوٹے سے کچن کا دروازہ۔ آگے دو کمرے تھے، سامان بیشک کم تھا مگر اس تھوڑے سے سامان سے بھی اسے خوبصورتی سے آراستہ کیا گیا تھا۔ اس گھر میں ایک چھوٹا سا خاندان آباد تھا۔ ایک شادی شدہ جوڑا، ان کا ایک بیٹا اور گھر کے سب سے بڑے دادا جی۔

شایان پہلی اولاد تھی اور کہتے ہیں سب سے زیادہ پیار پہلی اولاد کے نصیب میں ہی آتا ہے۔ جب شایان چار سال کا ہوا تو اللہ نے اس گھر کو ایک رحمت سے نوازا۔ گھنی پلکوں کے سائے میں کانچ جیسی سنہری آنکھیں، پر کشش نقوش والی رحمت جو بے حد خوبصورت تھی بلکل پری کی طرح۔ اسی لیے اس کا نام پریشے رکھ دیا گیا۔ وہ سب کی بے حد لاڈلی تھی۔ دادا روز اسے کہانی سناتے بابا اپنے سینے پے لٹاتے ماما اسے پیار کرتی رہتیں۔ شایان اپنی ننھی سے بہن کے آگے پیچھے گھومتا رہتا۔ جب وہ سو جاتی تو گھنٹوں اس کے سرہانے بیٹھا اسے دیکھتا رہتا ۔اس کے گھر والوں نے اسے سب دیا تھا جو وہ دے سکتے تھے مگر آزادی نہیں دے سکے اور دیتے بھی کیسے؟ وہ تو ان کے پاس بھی نہیں تھی۔ وہ اسے گھر سے باہر نہیں جانے دیتے تھے اس ڈر سے کہ اگر باوردی سپاہیوں کی اس پر نظر پڑ گئی تو طوفان ان کے گھر کا رخ کر لے گا سب تباہ ہو جائے گا اور وہ یہ نہیں ہونے دے سکتے تھے۔ وہ اسے ہوم سکولینگ کراتے تھے۔ اس کا بڑا بھائی اس کے لیے صرف بھائی نہیں تھا وہ اس کا دوست، استاد کرائم پارٹنر. مسیحا

سب تھا۔چند سالوں بعد وہاں ایک اور فرد کا اضافہ ہوا ایک چھوٹے بیٹے کا۔خاندان مکمل تھا۔ اور وہ اکلوتی بیٹی ہونے کی وجہ سے سب کی لاڈلی تھی اور وہ اپنے چھوٹے بھائی کا خیال بلکل ماں کی طرح رکھتی تھی۔زندگی سہی گزر رہی تھی۔

اس نے بڑے ہوتے ہوئے بہت کچھ دیکھا تھا۔اس نے لاک ڈاؤن کے دن دیکھے تھے۔اس نے دوا نا ہونے علاج نا ہونے کی وجہ سے لوگوں کو مرتا دیکھا تھا خوراک کی کمی کے باعث ننھے بچوں کو دنیا دیکھنے سے پہلے دنیا سے رخصت ہوتے دیکھا تھا۔محلے میں جوان بیٹوں کی لاشیں پڑی دیکھی تھیں۔جوان بیٹیوں کی عزت لوٹتے دیکھی تھی انہیں ان کے گھر والوں سے دور لے جاتے دیکھا تھا۔وہ شکر گزار تھی کہ اب تک طوفان نے ان کے گھر کا رخ نہیں کیا تھا پر یہ خوشی محض کچھ دن کی تھی۔ان سب ہنگاموں میں جو چیز ہمیشہ اسے راحت بخشتی تھی وہ پینٹنگ تھی، تصویریں بنا کر ان میں رنگ بھرنا اسے بہت پسند تھے۔وہ ہمیشہ تصویر میں رنگ بھر کر سب سے پہلے دادا کو دکھاتی تھی۔

معمول کا دن تھا بابا اور بھائی کام سے باہر گئے تھے۔گھر پر دادا ماما وہ اور اس کا چھوٹا بھائی صائم تھے۔اچانک دروازہ بری طرح کھٹکھٹایا گیا۔ساتھ کسی مرد کی آواز بھی آ رہی تھی وہ باہر بلا رہا

تھا۔ماما نے اس کا ہاتھ پکڑا صائم کو گود میں اٹھایا اور کمرے میں بھاگ کر دروازہ بند کر لیا۔دادا نے گھر کا دروازہ کھولا اور باہر چلے گے۔ماما صائم کے منہ پے ہاتھ رکھ کر کھڑی تھیں اور وہ کمرے کے دروازے کے ساتھ کھڑی تھی جبکہ سماعتیں باہر اٹکی تھیں۔اس نے اپنے دادا کی آوازیں سنی تھیں پر سمجھ نا پائی کہ وہ کیا بول رہے تھے۔پھر اس نے اپنے دادا کی چیخ و پکار سنی، وہ باہر جانا چاہتی تھی پر اس کی ماما نے ہاتھ پکڑ کر روک دیا۔پھر گھر میں گہری خاموشی چھا گئی نا دادا کی کوئی آواز آئی اور نا کسی اور کی۔اس کی ماما نے دروازہ کھولا اور دبے پاؤں باہر آئیں ان کے پیچھے وہ بھی باہر آئی تھی پر وہاں دادا نہیں تھے وہ کہیں نہیں تھے۔وہ دادا کو لے گئے تھے ۔ایک ہفتہ اس نے دادا کا انتظار کیا ہر آہٹ ہر دستک پے اس امید سے وہ دروازے کی جانب نظریں اٹھاتی کہ شاید دادا ہوں پر وہاں دادا نہیں تھے۔ایک ہفتہ بعد انتظار کی گھڑی ختم ہو گئی اور امید کی کرچیاں ٹوٹ کر بکھر گئی۔ایک ہفتہ بعد دادا گھر آئے تھے پر وہ زندہ نہیں تھے ان کی لاش گھر آئی تھی۔وہ کتنے پل دادا کے مردہ جسم کے ساتھ پتھر کا بت بنی کھڑی رہی۔اس دن کے بعد اس کے رنگ اس سے ناراض ہو گئے تھے یا شاید وہ رنگوں سے ناراض ہو گئی تھی ۔وہ اب تصویریں تو بناتی تھی مگر ان میں رنگ نہیں بھرتی تھی۔وہ بے رنگ تصویریں ہوتی تھیں۔دادا کو گزرے ایک ماہ ہو گیا تھا۔ایک دن شایان اس کے کمرے میں آیا تو میز پے پری

کی بنائی تصویریں پڑی تھیں۔شایان نے مسکراتے ہوئے وہ دیکھنا شروع کیں شروع کی تصویروں میں پیارے رنگ تھے مگر آخری تصویریں بے رنگ تھیں۔وہ چونکا تھا پیچھے بیڈ پے بیٹھی اپنی بہن کو دیکھا۔

"پرشو کیاان تصویروں میں رنگ بھرنا بھول گئی؟"

پرشو صرف اسکا بھائی اسے پیار سے بلاتا تھا باقی گھر والے پری بلاتے تھے۔

"نہیں بھائی جان۔میں نے نہیں بھرنے رنگ"

"کیوں؟"

"جب زندگی ہی بے رنگ ہو جائے تو کاغذ پے رنگ بھرنے کا فائدہ؟"

شائستگی سے سوال کے جواب میں سوال کیا گیا۔شایان نے ایک گہری آہ بھری اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھا اور اس کا ہاتھ پیار سے اپنے ہاتھ میں لیا

"پرشو تو بھائی کا بہادر بچہ ہے نا! دادا کی گڑیا۔بابا کی پرنسس ماما کی پری اور صائم کی بڑی دادی"آخری بات کہتے ہوئے وہ ہلکا سا ہنس دیا تھا۔پری نہیں ہنسی۔شایان نے بات جاری رکھی،

"بھائی کی جان یہ دنیا بہت ظالم ہے یہ آپ کے رنگ چھینے گی مگر آپ کو ان کے سامنے بہادر بننا ہے ڈٹ جانا ہے آپ نے رنگ خود بھرنے ہیں کسی کو حق نہیں کہ وہ آپ سے آپ کے رنگ چھینے۔آپ نے دشمنوں کو دکھانا ہے کہ چاہے وہ جو کر لیں ہم انھیں اپنے رنگ نہیں چھینے دیں گے۔رائٹ؟"

پری نے نم آنکھوں سے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔شایان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور کھانا کھانے کے لیے باہر لے آیا۔

دادا کے جانے کے دو ماہ بعد۔

بھائی اور بابا گھر نہیں تھے۔ماما شاور لینے گئی تھیں۔صائم باہر بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔وہ کھڑکی کے پاس بیٹھی باہر اپنے بھائی کو کھیلتا دیکھ رہی تھی۔ساتھ ساتھ وہ سویٹر بھی بن رہی تھی۔اچانک انگلی پر سوئی لگی۔وہ جو اپنے کام میں محو سی تھی چونک کر سر اٹھایا اور کھڑکی کے باہر دیکھا۔پر اگلے ہی پل اس کا سانس حلق میں اٹک گیا۔ایک باوردی آدمی اس کے بھائی کو بری طرح مار رہا تھا۔باقی بچے گھروں میں بھاگ گئے تھے۔اس کا بھائی اوندھے منہ زمین پر گرا چیخ رہا تھا اور وہ آدمی اس کو مسلسل جوتوں سے مار رہا تھا۔اس کا ہر جوتا پری کو اپنے دل پر

پڑتا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ ماما کو آواز دے رہی تھی مگر جواب ندارد وہ مزید برداشت نہیں کر سکتی تھی. اس لیے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ وہ آدمی جو جانے کے لیے پلٹا تھا بھاگتے قدموں کی چاپ سن کر دیکھنے لگا۔ پری فکر مند سی اپنے چھوٹے بھائی کے پاس بیٹھی تھی۔ وہ آدمی شیطانی مسکراہٹ لیے اس کی طرف قدم بڑھانے لگا، پر تبھی نظر سامنے سے آتے محلے کے مردوں پے پڑی تو وہاں سے چلتا بنا مگر لب اب بھی شیطانی مسکراہٹ میں ڈھلے تھے اور ذہن میں شیطانی عمل گردش کر رہے تھے۔ صائم چھوٹا اور کمزور بچہ تھا وہ شدید زخم برداشت نا کر سکا اور اتنی سی عمر میں دنیا سے رخصت ہو گیا۔ پری بہت روئی تھی بے تحاشہ روئی۔ ہر آنکھ اس معصوم کی موت پر اشکبار تھی۔ ماما تو جیسے ہوش کھو دینے کو تھیں۔ بابا کو چپ سی لگ گئی تھی اور شایان ضبط کے گہرے مراحل پر تھا۔ ابھی بھائی کو دفنائے ایک ہفتہ ہی ہوا تھا کہ گھر کا دروازہ زور سے پیٹا گیا تھا۔ اس کے بابا نے دروازہ کھولا تو سامنے ان کے چھوٹے بیٹے کا قاتل کھڑا تھا پر بے بسی کی انتہا تھی وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ وہ آدمی بابا کو دھمکا رہا تھا کہ وہ ان کی بیٹی کو لے جائے گا اور وہ جلد واپس آئے گا مگر وہ جانتے تھے یہ دھمکی نہیں تھی وہ واقعی یہ کر سکتا تھے۔ اسی رات فیصلہ ہو گیا تھا وہ چاروں دو دن بعد بھاگ جائیں گے۔ وہ اپنی جنت کو چھوڑ دیں گے۔ اس بات سے بے خبر کے بھاگنے والے چار لوگ نہیں ہوں

گے۔اگلے دن دوپہر کا وقت ان کے لیے نئی قیامت لایا تھا۔لوگوں کو اس کے باپ کی لاش برف میں دبی ملی تھی۔ان کے جسم پر تشدد کے بے تحاشہ نشان تھے۔پری اتنی قیامتوں کے لیے بہت چھوٹی تھی۔دو مہینوں میں اس کے دادا چھوٹا بھائی اور باپ اسے چھوڑ کر دور جا چکے تھے۔بھاگنے کا پلان دو دن بعد کے بجائے رات کا بن گیا۔رات کے اس پہر وہ تین بھاگنے کے لیے تیار تھے جب دروازہ زور سے بجا۔اس کا بھائی دروازے کی جانب بڑھنے لگا جب اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روکا.

"بھائی جان مت جائیں پلیز جو بھی وہ دروازہ کھولنے گیا واپس نہیں آیا بھائی خدارا مت جائیں دروازہ مت کھولیں" وہ فریاد کر رہی تھی۔اس کا بھائی اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھا اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے کہنے لگا

"پاشو بھائی کا بچہ تو بہت بہادر ہے۔بھائی سے وعدہ کرو آپ لڑو گی اپنے لیے۔کچھ بھی ہو جائے آپ صرف خود کو بچاؤ گی" اس کے ہاتھ اپنے لبوں سے لگا کر اس کا گال تھپتھپا کر وہ اٹھا اور ماما کی طرف مڑا

"ماما کچھ بھی ہو جائے آپ دونوں کو یہاں سے بھاگنا ہو گا"

وہ ان کی سنے بغیر باہر کی جانب لپکا۔اس کی ماما نے پری کا ہاتھ پکڑا اور پچھلے دروازہ سے باہر نکل گئیں مگر بیٹے کے بغیر بھاگنے کی ہمت ان میں بھی نا تھی اسی لیے وہ دونوں گھر کے پیچھے کھڑے انتظار کرنے لگی۔اس نے اپنے بھائی کی دہائیاں سنیں وہ لوگ بھائی کو گالیاں دے رہے تھے شاید مار بھی رہے تھے اور بھائی بس ہنس رہے تھے اس کے کانوں میں بھائی کی ہنسی ثبت ہو گئی تھی۔وہ ہنسی تکلیف دہ ہنسی تھی۔اس نے ذرہ سا سر نکال کر گھر کے فرنٹ پر دیکھا جہاں وہ لوگ اس کے بھائی کو گھسیٹتے ہوئے لے جا رہے تھے۔بھائی کے منہ سے خون نکل رہا تھا ماتھے پر بھی خون کی بوندیں تھیں اور وہ بد دعائیں دے رہا تھا کراہ رہا تھا۔پھر وہاں خاموشی چھا گئی۔اس کی ماما نے اس کا ہاتھ پکڑا اور بھاگنے لگیں.پری کی حفاظت کی خاطر سب نے قربانی دی تھی وہ اسے خطرے میں نہیں رہنے دے سکتی تھیں۔وہ ماں کے ساتھ کھنچتی جا رہی تھی آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو بہے رہے تھے آج اس نے سب کھو دیا تھا۔وہ سب سے زیادہ قریب بھائی سے تھی وہ اس کا دوست، بھائی، باپ. استاد سب تھا اور آج اسے لگ رہا تھا وہ بھری دنیا میں اکیلی رہ گئی ہے۔ مختلف مناظر اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم رہے تھے۔وہ اس کا گھوڑا بن رہا تھا، وہ اسے پڑھا رہا تھا، وہ اس کو کاغذ کے جہاز بنانا سکھا رہا تھا، وہ اس کو جیب سے چاکلیٹ نکال کر دے رہا تھا، وہ اس کے گڈا گڑیا کی شادی کرا رہا تھا، وہ اس کے

بال بنا رہا تھا، وہ اس کی پونی کھینچ کر بھاگ رہا تھا، وہ اسے برف کے گولے کیچ کرا رہا تھا، وہ اس کے ساتھ چھپن چھپائی کھیل رہا تھا، وہ اس کو کھانا کھلا رہا تھا، وہ اس کو پینٹس کا نیا ڈبا دے رہا تھا ۔اس نے بھیگی آنکھوں سے اپنے ہاتھ میں پکڑے بیگ کو دیکھا اس میں وہ پینٹس بھی تھے اس نے بیگ کو سختی سے اپنے سینے سے لگا لیا آنکھوں سے پانی ہنوز جاری تھا۔کافی دیر بعد انھوں نے ایک غار میں پناہ لی۔ماما دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے خاموش بیٹھی تھیں وہ بہت زیادہ خاموشی ہو گئی تھیں۔پری ان کی گود میں سر رکھے لیٹی تھی۔اچانک باہر سے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ماما ایک دم کھڑی ہوئیں،اس کا ہاتھ پکڑا اور اس کی طرف دیکھ کر کہنا شروع کیا.

"کچھ بھی ہو جائے پری تم بھاگو گی۔تم پاکستان جاؤ گی۔پیچھے مت مڑنا۔چاہے میں تمہارے ساتھ ہوں نا ہوں تم اپنی حفاظت کے لیے کچھ بھی کرو گی وعدہ کرو پری کچھ بھی ہو جائے تم نہیں رکو گی."

پہلے بھائی بھی یہی کہہ کر گیا تھا اور واپس نہیں آیا اب ماما بھی وہی کہے رہی تھیں۔وہ زور زور سے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"پری تمہیں یہ کرنا پڑے گا" ایک آخری دفعہ اسے چوما اور لے کر باہر بھاگیں۔پری آگے تھی ماما پیچھے

"اوئے رک" پیچھے سے کوئی چلایا تھا۔

"پری بھاگو"

وہ بھاگتی رہی۔یکایک فضا میں گولیوں کی آواز گونجی۔اس کے قدم زنجیر ہوئے سر خود بخود نفی میں ہل رہا تھا آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہو گئے تھے۔

"بھاگو" ماما کی ایک دلخراش چیخ کے ساتھ اس نے کسی کے زمین پر گرنے کی آواز سنی۔بس ایک لمحہ پلٹ کر دیکھا ماما کا خون آلودہ بدن برف پر بے جان پڑا تھا سفید برف خون سے سرخ ہو گئی تھی۔اس کے قدم مزید تیز ہو گئے،آنکھوں سے بہتے اشکوں کے ساتھ وہ بھاگتی جا رہی تھی۔ایک جگہ وہ رک گئی پھولی سانسوں کو نارمل کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

درخت کے ساتھ لگ کر وہ نیچے بیٹھتی چلی گئی۔وہ سولہ سال کی تھی اور اب اکیلی رہ گئی تھی وہ کہاں جائے اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔اچانک اسے کسی کے چلنے کی آواز آئی وہ سہم کر اٹھی اور اس طرف دیکھا وہاں ایک آدمی کھڑا تھا وہی ور دی۔اس نے جھک کر دو پتھر اپنے ہاتھ

میں پکڑے اور ایک پتھر اس آدمی کی کمر پے مارا وہ غصہ سے پیچھے مڑ کر اس کی جانب بڑھا وہ خوف سے کانپ رہی تھی وہ اس کے بلکل سامنے تھا اس نے پری کے بالوں کو اپنے ہاتھ میں دبوچا بے ساختہ اس کی چیخ بلند ہوئی تھی۔ آنکھوں سے ابل ابل کر آنسو بہے رہے تھے۔ اس نے دوسرا پتھر پوری قوت سے اس کے ماتھے پے دے مارا۔ ماتھے سے خون کی ننھی بوند نکلی وہ کراہ کر ایک قدم پیچھے ہوا پری نے اسے پوری طاقت لگا کر دور دھکیلا اور پاس پڑی ایک اینٹ اٹھائی اور پوری طاقت سے اس کے سر کے پچھلے حصے میں ماری۔ وہ جو اٹھنے لگا تھا اس غیر متوقع حملہ سے کراہ کر برف پے گر گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے برف سرخ ہو گئی اور وہ آدمی تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ وہ ساکت تھی، بلکل شل۔ یہ اس نے کیا کیا تھا۔ پھر اس کی آنکھیں بہنے لگیں۔ اس نے قتل کر دیا تھا اس نے اپنے ان پاکیزہ ہاتھوں سے کسی کا خون کر دیا تھا وہ بری طرح رو رہی تھی اور روتے روتے وہیں ڈھے گئی۔ کافی دیر بعد اٹھی تو آنکھیں خشک تھیں وہ اب ہر چیز کے لیے تیار تھی۔ اس نے اپنے حصے کا رو لیا تھا اب مزید آنسو نہیں بچے تھے۔ کئی دنوں کی مسافت کے بعد وہ بلآخر پاکستان کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کا حلیہ بے حد خراب تھا پاؤں ننگے تھے جن پے جا بجا نشان تھے خون کے جمے ہوئے دھبے تھے۔ چہرہ عجیب ہو گیا تھا۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ آگے بڑھی مگر پھر ایک دم درمیان میں کسی رسی

کے ہونے کی وجہ سے سجدہ کی صورت دوسری جانب گری۔اس جگہ جہاں سامنے پاکستان کا جھنڈا تھا۔وہ پاکستان میں تھی۔وہ محفوظ تھی پر کیا سچ وہ محفوظ تھی؟

اس کو ایک ادھیڑ عمر عورت اپنے گھر لے گئیں اس کی مرہم پٹی کی کھانا دیا بستر دیا اور پھر دو دن بعد وہ اسلام آباد آ گئی. وہ نہیں جانتی تھی وہ یہاں کیوں آئی تھی۔وہ سڑکوں پے بے مقصد پھر رہی تھی جب اچانک تین چار لڑکے ہنستے ہوئے کہیں سے آ نکلے تھے۔وہ سہم گئی تھی۔وہ لڑکے اسے دیکھ کر معنی خیزی سے مسکرائے اور اس کی طرف بڑھے۔اس کے قدم پیچھے اٹھے۔اچانک ان کے درمیان کوئی آ گیا تھا۔وہ ایک اونچا لمبا مرد تھا۔اسے دیکھ کر وہ لڑکے بھاگ گئے۔اس مرد کے ساتھ ایک عورت بھی تھی عورت نے پیار سے اسے دیکھا اور پوچھا وہ یہاں کیا کر رہی ہے اس کا گھر کہاں ہے ماں باپ کہاں ہیں اس نے اپنی آپبیتی ان کے گوش گزار کر دی۔اس کی کہانی سن کر ان کی آنکھیں بھر آئیں اور وہ اسے اپنے ساتھ لے گئے۔وہ ایک کپل تھے جن کا پچھلے دنوں نومولود بچہ دنیا سے رخصت ہوا تھا اور اب وہ ماں باپ نہیں بن سکتے تھے تو انہوں نے پری کو اپنی بیٹی بنا کر اپنے گھر کا حصہ بنا لیا۔آج وہ خوش ہے کیونکہ وہ آزاد ہے۔اس آزادی کی بہت بڑی قیمت چکائی ہے اس نے اور اس کے خاندان

نے۔چاہے پوری طرح آزاد نا ہو کیونکہ برے لوگ تو ہر جگہ ہوتے ہیں نا پر کم سے کم یہاں کی فضا آزاد ہے وہ بلکل بے خوف چاہے نا جیے پر اس طرح کے خوف سے پناہ مل گئی۔

وہ سنہری آنکھوں والی خوبصورت لڑکی خاموش ہوئی اور مسکرا کر ہانی کو دیکھا۔ہانی کی آنکھوں سے دریا بہہ رہا تھا۔

"کیا میں اس سے مل سکتی ہوں؟"

رندھی آواز میں پوچھا گیا

"تم اس سے مل چکی ہو"

مسکرا کر جواب موصول ہوا۔اس نے روتے ہوئے پری کو گلے لگا لیا پر پری نہیں روئی۔

"اب بتاو کیا تم آزاد نہیں؟تم پہلے کشمیر فلسطین سریا کے بارے میں سوچو پھر بتاؤ تم آزاد نہیں ہو؟"

وہ ایک عام سی شام تھی۔لاؤنج میں ہانی پری مام ڈیڈ اور ہانی کے دوست بیٹھے تھے۔

"تم نے کینیڈا کے لیے اپلائی کر دیا ہانی؟"

"نہیں میں نہیں جا رہی"

"پھر کہاں جا رہی ہو؟"

"کہیں نہیں میں پاکستان میں رہوں گی۔ پاکستان کو بہتر بناؤں گی۔"

"تمھارا دماغ خراب ہے۔ پاکستان کا کوئی فیوچر نہیں ہے۔"

"جب فیوچر باہر چلا جائے گا تو فیوچر کیسے ہو گا؟"

مسکرا کر پری کو دیکھا جو جوابا مسکرا دی۔

کچھ سالوں بعد۔۔۔

یہ شہر کی ایک مشہور آرٹ گیلری تھی جہاں دیواروں پے جا بجا خوبصورت پینٹنگز تھیں۔ ایک پینٹنگ کے سامنے پری کھڑی اس کا جائزہ لے رہی تھی۔ یہ اس کی سب سے بہترین پینٹنگ تھی نیچے کیپشن تھا "رنگ آزادی" اس پینٹنگ میں بائیں طرف لال بیک گراؤنڈ تھا

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

جس کے اوپر کچھ لاشیں ادھر اُدھر بکھری پڑی تھیں اور ایک لڑکی سکڑ کر زمین پے بیٹھی تھی اس کی آنکھوں سے پانی بہے رہا تھا جب کی دوسری جانب خوبصورت پہاڑ کی چوٹی پے ایک لڑکی کھڑی تھی تیز ہوا سے اس کے بال اڑ رہے تھے۔پری کی یہ پینٹنگ دیکھنے لوگ دور دور سے آتے تھے۔پری ایک مشہور آرٹسٹ بن چکی تھی۔اس نے دنیا کو اپنے رنگ چرانے نہیں دیے تھے۔

یہ ہائی کورٹ کا منظر ہے۔کورٹ کھچا کھچ لوگوں سے بھرا تھا۔بھانت بھانت کی بولیاں سماعتوں سے ٹکرا رہی تھیں۔کمرہ عدالت میں جج کی کرسی پے ایک لڑکی پوری تمکنت سے بیٹھی بیانات سن رہی تھی۔سب کے بیان سنے کے بعد اس نے فیصلہ سنایا تھا

"تمام گواہیوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مجرم نے بچی کو اغوا کر کے زیادتی کا نشانہ بنایا اور پھر سڑک پے پھینک دیا۔عدالت اس مجرم کو جرمانے کے ساتھ پھانسی کی سزا سناتی ہے" اور وہ ہتھوڑا بجا کر اٹھ گئی۔ہائی جج بنی تھی. وہ فیصلہ انصاف کی بنا پر کرتی تھی مظلوم کا ساتھ اور

طاقت کے خلاف۔ایک انسان کے بھی بدلنے سے ملک کو فرق پڑتا ہے۔پہلے اپنی سوچ کا زاویہ بدلیں پھر کسی اور سے امید کریں۔

(ختم شد)

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

مزید بہترین ناول/افسانے/آرٹیکل/مختصر کہانیاں اور معیاری شاعری پڑھنے کے لئے نیچے دیئے گئے لنک پر کلک کریں۔

شکریہ!

www.novelsclubb.com

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک، انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842